سچی گواہی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

سمیرا گل

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سمیرا گل

سچی گواہی

ایک گھنٹے بعد دوبارہ کال آئی تھی۔

"مجھے تمہارے لیے جھوٹی گواہی دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تمہارے گھر کے تمام ملازم تمہارے گناہ کے گواہ ہیں اور جانتی ہو میں بھی گیارہ برس تڑپا ہوں اپنی بیٹی کے لیے۔ اب تمہاری باری ہے ہو سکتا ہے حکومت تمہارے اچھے برتاؤ اور حسن سلوک کی وجہ سے باقی کے تین سال کی سزا معاف کر دے۔ جیل سے رہا ہونے کے بعد اپنی بیٹی کو آ کر لے جانا۔" فون بند کرنے کے بعد وہ پرسکون سا اپنے اپارٹمنٹ کی سمت چل پڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

صبح کے انتظار میں تمام رات آنکھوں میں کٹ چکی تھی موذن کی پہلی صدا کے ساتھ یوں لگا جیسے صدیوں بعد دن نکل آیا ہو۔ وہ اٹھ کر واش روم میں چلی آئی تھی وضو کرنے کے بعد نماز ادا کی اور پھر سنگھار میز کے سامنے آ کھڑی ہوئی غور سے اپنا عکس دیکھا۔

وہاں کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا۔ وہی کالی آنکھیں، گوری رنگت، شنگرفی ہونٹ اور بھرا بھرا گداز سراپا۔ لیکن ہر نقش میں جیسے برسوں کی تھکن تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی وہ ادھ کھلی لپ اسٹک آج سالوں بعد اس نے اپنے لبوں پر سجائی تھی آنکھوں سے روٹھے کاجل کو منانا ابھی باقی تھا پھر اس نے وہی لباس زیب تن کیا تھا جو قربت کے آخری لمحوں میں اس کے وجود سے منسلک تھا۔

"مما۔" بیٹی کی آواز پر وہ پلٹی جو لحاف سے جھانکتی مندی مندی آنکھوں میں اشتیاق کے رنگ اوڑھے اسے دیکھ رہی تھی۔

"آج کوئی خاص دن ہے؟"

"بہت خاص۔" وہ مدھم سا مسکرائی عینی کو اس کے لبوں پر بکھرتا یہ دلکش نوخیز تبسم بے حد بھلا لگا تھا جس نے اس کے چہرے پر اک الوہی سی چمک بکھیر دی تھی۔

"اس لیے آپ نے لپ اسٹک لگائی ہے۔" اس کی حیرت دیدنی تھی اور بجا بھی اس نے تو آج تک اپنی مما کو خاص تہواروں پر بھی سنگھار کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ قید میں وہ تھا لیکن گیارہ برس کی سزا اس نے بھی تو برابر کاٹی تھی۔

"آج تمہارے پاپا آ رہے ہیں۔" چوٹی کو آخری بل دینے کے بعد بینڈ میں جکڑتے ہوئے اس نے عینی کو گدگدایا تو وہ جوش سے اٹھ بیٹھی۔

"سچ مما۔" اس نے پلکیں جھپکتے ہوئے تصدیق چاہی تو الوینہ نے ہنستے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر کسی مانوس سی آہٹ کا احساس پا کر وہ عجلت میں زینہ اترتی مین ڈور تک آئی تھی۔ بہروز ملک کا ہاتھ گھنٹی پر تھا جب اس نے گیٹ کھول دیا تھا۔

دونوں کی آنکھیں چار ہوئی تھیں اور پھر جیسے دلوں کی دھڑکنیں رک گئی تھیں لمحے ساکت ہو چکے تھے لیکن وقت گزر رہا تھا الوینہ کی نظر اس کے چہرے سے پھسلتی ہوئی ہاتھوں پر ٹھہری تھی جس میں اس نے سرخ پھولوں کا تروتازہ گلدستہ تھام رکھا تھا۔ حالانکہ اوائل عمری کی وہ خواہش امنگیں اور خواب تو ماضی کا حصہ بن چکے تھے لیکن اس نے یاد رکھا تھا۔

ناولٹ

"مسوری میں یہ پھول تمہارے اٹھنے سے قبل تمہارے سرہانے رکھنا چاہتا تھا لیکن آنے میں ذرا دیر ہو گئی۔" بھیگے نمناک لہجے میں وضاحت کرتے ہوئے بہروز ملک نے محبت کا والہانہ اظہار بڑے خوب صورت لفظوں میں کیا تھا۔

"لو یو فار ایور۔"

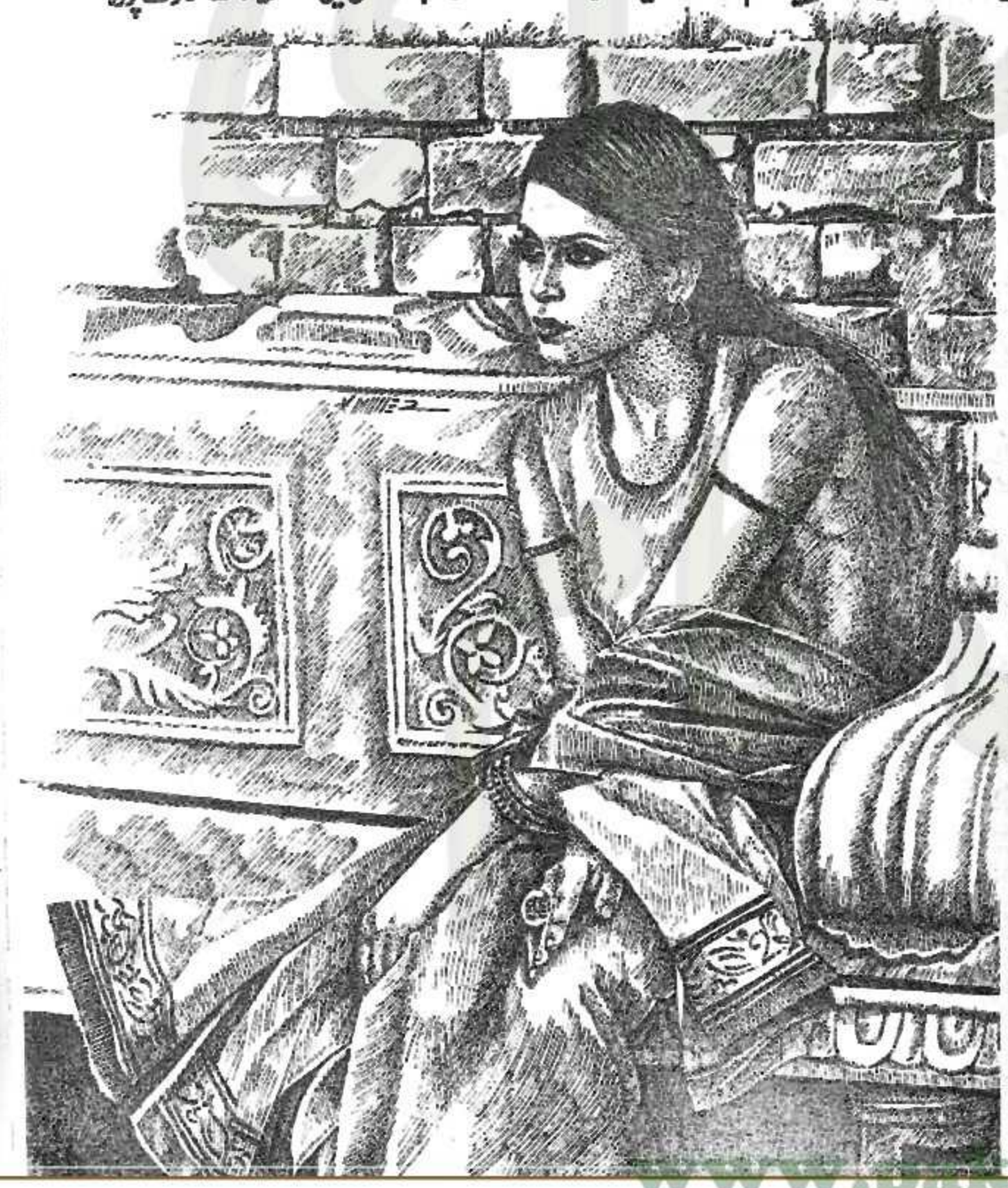

"ایک معصوم بے ضرر سی خواہش کو پورا کرنے میں اتنا وقت لگا دیا۔" وہ ایک قدم کا فاصلہ سمیٹ کر اس کے سینے سے آن لگی تھی بہروز ملک نے تمام تر استحقاق کے ساتھ اپنے مضبوط حصار میں اس کے نازک کومل گداز وجود کو سمو لیا تھا۔

"تقدیر نامہربان ہو تو وقت پر زور نہیں چلتا۔" عین اس لمحے ایک گڑیا سی بچی دھڑ دھڑ سیڑھیاں اترتی نیچے آئی تھی۔

"یہ عینی ہے تمہاری بیٹی۔" الوینہ کے تعارف پر وہ

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

تیزی سے اس کی جانب بڑھا تھا۔

"میری بیٹی میری عینی۔" اس کے چہرے اور ہاتھوں کو بے تحاشا چومتے ہوئے اس کی نگاہ سامنے رکھے تخت سے ٹکرائی تو بے ساختہ سسک اٹھا۔ وہ تخت آج خالی تھا۔ اس کے لیے دعائیں کرنے والی ماں چھ برس قبل ہی منوں مٹی تلے جاسوئی تھی۔

"اپنے دشمنوں کو میں کبھی معاف نہیں کروں گا جنہوں نے مسجد میں قرآن اٹھا کر اپنی وفاداری کی قسمیں کھائی تھیں اور پھر عدالت میں جھوٹی گواہی دی جانتی ہو میں اس جرم کی سزا کاٹ کر آیا ہوں جو کبھی میں نے کیا ہی نہیں تھا۔"

"کیا مطلب؟" وہ ٹھٹکی

"جیل جانے سے قبل ان دونوں کمینوں نے مجھے ساری حقیقت بتا دی تھی۔" اس کا اشارہ زیان حیدر اور شیراز احمد کی جانب تھا۔

"کیسی حقیقت؟" الوینہ کی تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کس حقیقت کی بات کر رہا تھا۔

"ان دونوں کو میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" اس کے تیور خاصے خطرناک تھے۔

"زیان حیدر مر چکا ہے۔" اس انکشاف پر وہ پورے کا پورا الوینہ کی سمت گھوم گیا تھا۔

"مر چکا ہے کیسے؟" بہروز کے ابرو تن گئے۔

"روڈ ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔" وہ ناگواری سے بولی۔

"ہاں مگر وہ شیراز تو زندہ ہے اور اس کی بیوی بھی۔"

"بہروز پلیز بھول جاؤ جو ہوا اتنے سالوں بعد لوٹ کر آئے ہو اب میں مزید ایک پل بھی تمہارے بغیر نہیں رہ پاؤں گی ہجر کو میرا مقدر مت بنانا۔" وہ تڑپ اٹھی تھی۔

"اچھا جناب ناشتا کروانے کا موڈ نہیں ہے۔" اس کے چہرے کی زرد پڑتی رنگت کو دیکھ کر اس نے موضوع بدل دیا تھا الوینہ نے اطمینان کا سانس لیا اور ناشتے کی تیاریوں میں مشغول ہو گئی۔

عینی نے آج اسکول کی چھٹی کرلی تھی شام میں تینوں باہر آؤٹنگ کے لیے نکلے تھے۔ جب اس نے ان دونوں کو اپنی خوب صورت سی بچی کے ساتھ شاپنگ سینٹر کی سیڑھیاں اترتے دیکھا تھا۔ بس ان کو خوش، مطمئن اور آسودہ حال دیکھ کر اس کی رگ رگ میں چنگاریاں بھڑک اٹھی تھیں اس نے سوچ لیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

"الوینہ اپنا سامان پیک کرلو۔" اگلا دن گھر سے باہر گزارنے کے بعد شام میں گھر داخل ہوتے ہی اس نے جیسے آرڈر جاری کیا تھا۔

"ہم کہیں جا رہے ہیں؟"

"ہاں۔" وہ بات سمیٹ کر الماری سے اپنے سوٹ نکالنے لگا تھا۔

"بہروز تم کیا کر رہے ہو؟" وہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھتی اس کے مقابل آن کھڑی ہوئی تھی۔

"پلیز اس وقت کوئی سوال و جواب نہ کرو۔" ایک نظر اس کے تفتیشی انداز کو دیکھنے کے بعد وہ دو ٹوک اور قطعی لہجے میں بولا تھا الوینہ سے پھر کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی انہیں محفوظ مقام پر پہنچانے کے بعد اب اس کا اگلا ٹارگٹ شہزاد احمد کی بیٹی تھی۔ زیبی جسے اسکول واپسی پر اسے اغوا کرنا تھا۔

وہ چھٹی سے پندرہ منٹ قبل ہی اپنی گاڑی راستے میں ایک جانب کھڑی کر کے بیٹھ گیا اس روڈ سے گزرتے ہوئے ڈرائیور گاڑی سے اتر کر آئس کریم پارلر سے زیبی کو آئس کریم لا کر دیتا تھا گاڑی اور پارلر میں صرف بارہ فٹ چوڑی سڑک کا فاصلہ تھا۔

ڈرائیور کے گاڑی سے اتر کر پارلر جانے اور واپس آنے میں صرف چھ منٹ لگتے تھے۔ اور اسے تین منٹ میں بچی کو بی ایم ڈبلیو سے اپنی سیاہ لینڈ کروزر میں منتقل کرنا تھا۔ روڈ زیادہ پر ہجوم نہیں تھا لیکن یہ کام کافی رسکی تھا۔ پھر بھی اسے ہر صورت کرنا تھا جو کہ اسے کرنے میں کامیابی مل چکی تھی۔

"یہ کس کی بچی ہے؟" اپارٹمنٹ میں داخل ہوتے ہی الوینہ نے اس کے بازوؤں میں بے ہوش خوب صورت گول مٹول سی چار سالہ بچی کو جھولتے دیکھ کر اچنبھے سے پوچھا تھا۔ وہ بچی کو بستر پر لٹانے کے بعد اس

کی سمت مڑا۔

"اس کا خیال رکھنا باقی باتیں پھر بتاؤں گا اور ہاں دروازہ اچھی طرح سے لاکڈ کرلو۔" اسے ہدایت دینے کے بعد وہ خود دوسرے علاقے میں چلا آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

آج ان کی میرج اینورسری تھی جس کی تیاریوں میں صبح سے مشغول تھی یہ دن وہ اور شیراز مل کر منایا کرتے تھے شیراز کو مہمانوں کا ہجوم پسند نہیں تھا۔

کریم کیک بیک کرنے کے بعد وہ اس پر پائن ایپل کاٹ کر لگا رہی تھی۔ جب حواس باختہ سا ڈرائیور لاؤنج میں داخل ہوا۔

"بیگم صاحبہ۔" اس کی سانسیں پھولی ہوئی تھیں جیسے کہیں دور سے بھاگتے ہوئے آرہا ہو رنگ اڑا ہوا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟" وہ بوکھلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بیگم صاحبہ زیبی کو کوئی لے گیا ہے۔" اسے اب احساس ہوا تھا کہ آج ڈرائیور کے عقب میں اچھلتی کودتی زیبی نظر نہیں آرہی تھی۔

"کیا بکواس کر رہے ہو کون لے گیا میری بچی کو۔" وہ حلق پھاڑ کر چلائی۔

"میں تو جی آئسکریم لینے گاڑی سے اترا تھا واپس آیا تو بے بی گاڑی میں نہیں تھی۔" وہ گھگیاتے ہوئے بولا۔

"او میرے خدا۔" وہ سر پکڑ کر صوفے پر بیٹھ گئی آنکھوں کے کٹورے آنسوؤں سے بھر گئے تھے زیبی میں تو اس کی جان تھی شادی کے سات سال بعد بڑی منتوں مرادوں سے پایا تھا اسے۔ در در کی خاک چھان کر ایک پھول کھلا تھا وہ ذرا سا نظروں سے اوجھل کیا ہوئی نازنین کی جان پر بن آتی تھی اس کی معمولی سی تکلیف بھی اس کے دل پر قیامت بن کر گزرتی تھی۔

"کہاں جا سکتی ہے تم نے آس پاس چیک کیا تھا۔"

"جی بیگم صاحبہ۔" وہ مایوسی سے بولا۔

"ہمارا تو اب کوئی دشمن بھی نہیں ہے۔" زیر لب بڑبڑاتے ہوئے اس نے شیراز کا نمبر ڈائل کیا تھا مگر دوسری جانب ریکارڈنگ چل رہی تھی۔

"مطلوبہ نمبر سے جواب موصول نہیں ہو رہا۔" پھر اس نے آفس کے نمبر پر کال کی۔ پتا چلا وہ تو گھنٹہ بھر قبل ہی آفس سے نکل چکا ہے۔ اگلے ہی پل اس نے گھر کے سارے ملازموں کو لائن میں کھڑا کر لیا تھا۔

"غلام احمد کے ساتھ جاؤ ہو سکتا ہے وہ گاڑی سے اتر کر کہیں چلی گئی ہو وہاں کی قریبی مساجد میں اعلان کراؤ آس پاس کے لوگوں سے پوچھو۔" سب کو روانہ کرنے کے بعد وہ خود نیم جان سی ہو کر رہ گئی تھی۔

"میری زیبی کہاں چلی گئی ہو تم۔" بے بسی سے لب کچلتے ہوئے وہ مسلسل شیراز کا نمبر ڈائل کر رہی تھی مگر اس نے بھی جانے کیوں سیل آف کر رکھا تھا۔

"کس کو بتاؤں کیا کروں۔" وہ بے چینی سے لاؤنج میں ٹہلنے لگی۔ تین گھنٹوں کی خواری کے بعد سب ملازم ناکام ہو کر لوٹ آئے تھے۔ جس پر اس کے رہے سہے اعصاب بھی جواب دے گئے تھے۔

باہر آنگن میں شام اتر رہی تھی شیراز کا نمبر ہنوز بند تھا شاید اس کی بیٹری ڈاؤن ہو گئی تھی یا پھر ہمیشہ کی طرح آج بھی کوئی سرپرائز دینے کے چکروں میں تھا۔ رو رو کر اس کا برا حال ہو گیا وہ پولیس اسٹیشن جانے کے متعلق سوچ ہی رہی تھی جب پی بی سی ایل کی بیل بجنے لگی۔ اس نے لپک کر ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو۔" بھیگا لہجہ، بہروز ملک کے اندر تک ٹھنڈک اتار گیا تھا۔

"بڑی پریشان ہو زیبی ابھی تک گھر نہیں آئی۔" مصنوعی تاسف کا اظہار کیا گیا۔

"کون ہو تم۔" اس کی نم ہوئی ہتھیلیوں میں ریسیور لرز کر رہ گیا تھا۔

"بہروز ملک۔" وہ اس کی حالت پر محظوظ ہوتے ہوئے قہقہہ لگا کر ہنسا جبکہ اس تعارف پر خوف کی شدید لہر نازنین کی پسلیوں میں سرائیت کر گئی تھی۔

"میری بیٹی۔" آگے اس کا گلا رندھ گیا تھا۔

"میرے پاس ہے۔" اس نے جملہ مکمل کر دیا۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"دیکھو ہماری ساری دولت لے لو لیکن پلیز مجھے میری بیٹی لوٹادو۔" وہ گڑگڑائی۔

"تمہاری دولت۔" وہ استہزائیہ ہنسا۔

"ہم سب کچھ واپس کرنے کو تیار ہیں۔" وہ جلدی سے بولی۔

"مجھے دولت نہیں چند سوالوں کا جواب چاہیے۔"

"میں سب کچھ بتانے کو تیار ہوں۔" اس نے تھوک نگلا۔

"وہ قتل کس نے کیا تھا" دوسری جانب کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی تھی پھر وہ تمام ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے بولی۔

"شیراز نے۔"

"زیان حیدر کیسے مرا؟" سپاٹ لہجہ تھا۔

"اس کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔"

"اور وہ ایکسیڈنٹ کس نے کروایا تھا؟" اس کا ایسا سوال نازنین کی توقع کے بالکل برعکس تھا لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی وہ جواب دینے پر مجبور تھی۔

"شیراز نے۔" اس نے دوسری بار بھی اپنے شوہر کا نام لیا۔

"تم شیراز اور زیبی میں سے کس کو زیادہ چاہتی ہو۔" وہ بے رحمی سے بولا۔

یہ کیسا سوال ہے۔" اس کے دل کو کچھ ہوا۔

"سوال نہیں بس جواب۔" وہ درشتی سے بولا تو نازنین نے دونوں آنکھیں میچ لیں آنسو قطار کی صورت گرنے لگے تھے۔

"زیبی کو۔"

"اپنی بیٹی واپس چاہیے۔" اس نے جیسے آفر کی تھی۔

"ہاں۔" نازنین نے کسی سوال کا جواب اس سے زیادہ جلدی نہیں دیا تھا۔ وہ مسکرا کر پھر بولا۔

"تاوان دینا پڑے گا۔"

"کیسا تاوان؟" اس کا دم گھٹنے لگا۔

"تاوان میں تمہیں اپنے شوہر کو قتل کرنا ہوگا۔" اس نے اپنی شرط بتادی تھی۔

"نہیں۔" وہ بیٹھے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"سوچ لو شوہر یا بیٹی فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔" وہ ایک لمحے کے توقف سے مزید گویا ہوا۔

"تمہارے پاس صرف ایک گھنٹے کا ٹائم ہے اگر اس گھنٹے میں تم نے شیراز کو قتل نہ کیا تو اگلے گھنٹے میں تمہیں تمہاری بیٹی کے ٹکڑے بوری میں ڈال کر پارسل کردیئے جائیں گے۔"

"تم ایسا نہیں کرسکتے۔" وہ چیخ اٹھی۔

"میں ایسا کرسکتا ہوں گیارہ سال تمہاری مہربانی کی وجہ سے عادی مجرموں کے ساتھ رہ کر آرہا ہوں اور اب مجھ میں انسانیت نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی بہتر ہوگا کہ تم میری درندگی اور حیوانیت کا مظاہرہ نہ ہی دیکھو۔ یاد رکھنا بس ایک گھنٹہ۔"

"ایک گھنٹہ۔" ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کے دماغ پر ہتھوڑے برسا رہا ہو۔

☆ ☆ ☆

"یار اس بار بس جیت جانا اپنا سب کچھ داؤ پر لگادیا ہے۔ تم ہارے تو میں دیوالیہ ہوجاؤں گا۔" بہروز ملک کے ڈیرے پر آج صبح سے خوب ہاہا کار مچی ہوئی تھی لاہور کلب میں ہونے والی گولڈن کپ ہارس ریس کا وہ سابقہ تین سالہ چیمپئن تھا۔

میر بخت نے اس کی کارکردگی کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنا سارا پیسہ جوئے میں لگادیا تھا۔ اس وجہ سے پرجوش ہونے کے ساتھ ساتھ وہ کچھ فکرمند سا بھی تھا۔

"تو تو فکر نہ کر تیرے یار نے ہارنا سیکھا ہی نہیں۔" سفید کڑکڑاتے لٹھے کے سوٹ کی نادیدہ شکنیں درست کرتا وہ اجرک شانے پر رکھ کر اصطبل میں چلا آیا تھا۔

"سرکار جیپ تیار ہے۔" کریم بخش کی اطلاع پر وہ میر بخت کو اشارہ کرتا باہر چلا آیا تھا ملازموں نے گھوڑے کو ٹرک میں سوار کیا اور اگلے ڈیڑھ گھنٹے کے اندر وہ لاہور کلب کے ریسنگ ٹریک پر کھڑے تھے۔

زیان حیدر کو اس نے دور سے ہی ہاتھ ہلا کر سلام کیا

تھا ریس شروع ہونے میں بس پانچ منٹ باقی تھے۔

☆ ☆ ☆

"الوینہ کہاں گھس کر بیٹھی ہو تم۔" ضویا دور سے ہی چلاتے ہوئے آرہی تھی الوینہ اس کی آواز پر سرتاپا چادر تانے سوتی بن گئی لیکن ضویا نے بھی لحاظ کیے بغیر ایک جھٹکے سے چادر کھینچی تھی۔

"کیا تکلیف ہے۔" وہ کاٹ کھانے کو دوڑی۔

"ریس شروع ہونے میں اونلی فائیو منٹس ہیں چلو اٹھو۔" وہ اس کے موڈ کی پروا کیے بغیر اشتیاق سے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے بولی تھی۔

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے فضول چیزیں دیکھنے کا۔" وہ ہنوز خفا تھی۔

"تم بھائی کو فضول کہہ رہی ہو۔" ضویا نے آنکھیں دکھائیں۔

"بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارا بھائی مجھ سے تو اچھا وہ سلطان ہے جس کے ساتھ ہر وقت چمٹا رہتا ہے۔" وہ خوب جلی بیٹھی تھی۔

"میری جان تمہیں اعتراض کس بات پر ہے سلطان کے تم سے زیادہ سندر ہونے پر یا پھر بھائی کے اس کے ساتھ ہونے پر۔" دونوں کشن گود میں رکھے وہ اس کے پہلو میں دھنستے ہوئے معنی خیزی سے بولی تھی۔ وہ احتجاجاً دوبارہ چادر میں غروب ہوگئی۔

"ناولوں میں تو ایسا نہیں ہوتا۔" اسے بہروز ملک کی بے رخی سنگدلی اور بے مروتی پر جی بھر کر رونا آرہا تھا سوچا تھا منگنی کے بعد زندگی میں کوئی رومانس آئے گا لیکن وہ تو پہلے سے زیادہ کٹھور ہوچکا تھا۔ ابھی کل کی بات تھی اس نے کتنے چاؤ سے اس کے لیے کھیر بنائی تھی۔ ظالم نے وہ سنائیں کہ کل سے اب تک کمرہ بند کیے پڑی تھی۔

"ناولوں کی ہیروئنیں بھی تو تمہاری طرح "بے وقوف" نہیں ہوتیں۔"

ضویا نے دماغ کی ڈکشنری کھنگالتے ہوئے بڑی مشکل سے یہ مناسب سا لفظ تلاش کیا تھا اس پر بھی اس کے ابرو تن گئے تھے۔

"کس نے کہا تھا کھیر میں چینی کی جگہ نمک ملادو۔" اس نے بھی آنکھیں دکھائیں۔

"ہاں تو بندے سے غلطی ہو ہی جاتی ہے۔" اس نے منہ بسورا۔

"غلطی وہ جو ایک بار کی جائے لیکن تمہاری تو فطرت بن چکی ہے یاد کرو تم نے ان کے براؤن شوز پر بلیک پالش کردی تھی۔"

"حواس باختگی میں ایسا ہوگیا تھا۔" الوینہ نے جھٹ سے لقمہ دیا۔

"ہینگر شدہ سوٹ تم نے تہہ لگادیئے تھے۔"

"ہمیشہ اماں سے ڈانٹ پڑتی تھی کہ کپڑے تہہ لگا کر رکھا کرو بس۔"

"اور کمپیوٹر کی بورڈ خوب نچڑتے ہوئے جھاڑن سے صاف کیا تھا۔" ضویا نے اوریا دلایا۔

"دھول مٹی بھی تو کچھ کم نہیں تھی۔" جواز حاضر تھا ضویا کا منہ پھر کھلا تھا جس پر وہ ہاتھ اٹھاتے ہوئے بولی۔

"مجھ سے نہیں بنا جاتا سگھڑ سلیقہ مند اصغری ٹائپ۔"

"تو ایکٹنگ بھی نہ کیا کرو اصغری ٹائپ کی۔" ضویا نے اس کی نقل اتاری مگر وہ بیٹھے بیٹھے خوابوں کی وادیوں میں اتر گئی تھی۔

"کتنا دل چاہتا ہے میرا کہ وہ روز صبح عالی کی طرح میرے لیے پھول لایا کرے عمر جہانگیر کی طرح میری ہر غلطی کو نظرانداز کرتے ہوئے خوب سارا خیال رکھے اور عالم شاہ کی طرح مجھ پر حق جتائے۔"

"کوئی ناول اسے بھی پڑھنے کو دے دو شاید کچھ افاقہ ہوجائے۔" ضویا مشورے دینے پر مجبور تھی۔

"وہ اگر کوئی کتاب پڑھے گا نا تو وہ بھی گھوڑوں سے متعلق ہوگی۔" وہ جل کر بولی تو ضویا سر پر ہاتھ مارتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہائے میری گھوڑا ریس۔"

☆ ☆ ☆

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اپنے لگژری اپارٹمنٹ میں بیٹھا وہ پچھلے دو گھنٹوں سے ڈرنک کر رہا تھا مگر لگتا تھا یا تو شراب میں کوئی نشہ نہیں تھا یا پھر اس کے اعصاب ہی اس قدر مضبوط تھے جو وہ اپنے مکمل حواس سمیت اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑا ہوا تھا۔ نیچے پارکنگ لاٹ میں شیراز احمد کی کرولا کھڑی دیکھ کر اس کی پیشانی سلوٹوں سے اٹ گئی تھی۔ وہ ابھی اس وقت مزید کسی ہنگامے کے لیے تیار نہیں تھا۔ لیکن اگلے ہی پل وہ تن فن کرتا اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔

"ہمیشہ میں جب بھی تمہارے ساتھ کوئی بزنس کرتا ہوں منہ کے بل گرتا ہوں جانتے ہو تمہاری اس ہار نے میرے لاکھوں ڈبو دیے ہیں میں صرف تم سے یہ کہنا آیا ہوں کہ آج سے تمہارے اور میرے درمیان کسی بھی قسم کی کوئی ڈیل نہیں ہوگی۔" وہ بہت اکھڑا ہوا تھا۔

"اس بار ڈیل نہیں پلاننگ ہوگی وہ بھی لاکھوں کی نہیں کروڑوں کی۔" راکنگ چیئر کو ٹھوکر رسید کرتا وہ دونوں مٹھیاں بھینچے سرخ آنکھوں سے گھورتا اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔

"منظور ہو تو کہو۔" اور کروڑوں کے نام پر تو وہ جان بھی دے سکتا تھا کسی کا گلا بھی کاٹ سکتا تھا لیکن نازو کے ذکر پر وہ دھیما پڑ گیا۔

"پوری آئٹم ہے تمہاری گرل فرینڈ اسے یوز کیوں نہیں کرتا۔"

"تم اپنی بیوی کو استعمال کر سکتے ہو۔" اس نے سرد و سپاٹ لہجے میں الٹا سوال پوچھا تھا اسے لگا تھا زیان حیدر اس بات پر خوب بھڑکے گا اسے گالیاں دے گا مگر وہ بھی اپنے نام کا ایک ہی کمینہ تھا۔

"ہاں اگر وہ نازو کی طرح حسین ہوئی تو۔" اس جواب نے اسے بھی اندر تک شانت کر ڈالا تھا اور پھر اس کی ساری مزاحمت بے کار گئی تھی اس کے علاوہ بہروز ملک جیسے زاہد خشک پر اسے قوی اعتماد تھا کہ وہ اس کی گرل فرینڈ کو چھوئے گا بھی نہیں۔

"چلو۔" اچانک ہی وہ اپنا کوٹ پہنتے ہوئے الجھے بالوں کو انگلیوں سے کنگھی کرتا اٹھ کھڑا ہوا تو وہ کوئی سوال کیے بغیر اس کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھا۔

"میں نے اسے کہا بھی تھا کہ ریس ہار جاؤ تو تمہیں مالا مال کر دوں گا لیکن وہ بھی ایک نمبر کا کمینہ ہے۔" اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارتے ہوئے اس نے سارا غصہ سگنل توڑنے پر نکالا تھا۔

"تم نے یہ آفر خود دی ہے۔" شیراز احمد نے آنکھیں پھیلائیں۔

"دو قوف سمجھا ہے کیا۔" یوٹرن لیتے ہوئے اس نے شیراز کو خشمگیں نظروں سے گھورا۔ ٹریفک سارجنٹ موٹر سائیکل پر پیچھے آ رہا تھا لیکن وہ اسے چکما دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

"یہ جس آدمی سے میں جوا ہارا ہوں نا وہ دوست تھا اس کا۔" شیراز احمد نے کچھ سلگتے ہوئے اس کے رشوت نہ لینے کا جواز بھی دیا تھا۔ زیان حیدر دل کھول کر ہنسا۔

"تو اس کا مطلب ہے دشمن ایک ہی ہے ہمارا۔"

"ہاں لیکن ہم جا کہاں رہے ہیں؟" گاڑی عجیب گزر گاہوں سے ہوتے سویٹ بیکرز کے سامنے آن رکی تھی شیراز احمد کو حیرت نے گھیرا۔

"رقیب یار کی جیت کا جشن منانے۔" وہ کہہ کر گاڑی سے اتر گیا دس منٹ بعد اس کی واپسی مٹھائی کے ٹوکرے اور پھولوں کے ہار کے ساتھ ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

بہروز ملک کے ڈیرے پر اس وقت جشن کا سماں تھا آتش بازی' فائرنگ ڈھول دھمکے' مٹھائیاں وہ لوگ دل کھول کر خوشی منا رہے تھے۔

سلطان پھولوں اور نوٹوں کے ہار پہنے اپنی فتح پر مغرور سا گردن اکڑائے کھڑا تھا۔

میر بخت کیمرہ گلے میں لٹکائے سب کی تصویریں بنا رہا تھا جب زیان حیدر کو اپنے دوست شیراز احمد کے ساتھ آتے دیکھ کر دونوں استقبال کو آگے بڑھے۔

"اتنی دیر لگا دی۔" بہروز ملک زیان حیدر کے گلے

ملتے ہی شکوہ کناں لہجے میں بولا تو اس نے مصنوعی مسکراہٹ لبوں پر سجالی۔

"اپنی ہار کا ماتم کرنے کے بعد ہی تیری جیت کا جشن منانا تھا نا اب اتنا تو حق بنتا تھا۔"

"ارے تو میرا جگر ہے ٹرافی چاہیے تو لے لو لیکن ریس نہیں ہاروں گا۔" بہروز ملک نے قہقہہ بکھیرتے ہوئے ٹرافی اٹھا کر اس کے ہاتھ میں تھما دی۔ وہ اس کا بچپن کا یار تھا لیکن اس ریس کے چکر نے زیان حیدر کے دل میں رقابت کی لکیر کھینچ دی تھی۔

"یہ ٹرافی تو میں بھی جیت کر حاصل کروں گا۔" وہ بھی اپنی ضد کا پکا تھا۔

"پھر اس ریس کا ویٹ کرو جس میں بہروز شامل نہ ہو کیونکہ اس کے ہوتے ہوئے تو تم نمبر دو ہی رہو گے۔" میر بخت نے مٹھائی کی پلیٹ اس کے سامنے رکھتے ہوئے خوب مزے سے کہا جس پر اس کا رواں رواں سلگ اٹھا تھا۔ مگر وہ اس وقت اپنے اندرونی خلفشار کو قابو میں رکھے مٹھائی کھانے پر مجبور تھا۔

"پلاٹس کا کیا ہوا؟" کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد بہروز نے بزنس کی بات کی تھی سستے داموں پلاٹ خرید کر سال دو سال کے بعد مہنگے داموں فروخت کرنا ان کا من پسند مشغلہ تھا اور منافع بخش بھی۔

زیان حیدر اس کا بزنس پارٹنر تھا وہ دونوں ففٹی ففٹی کے مالک تھے لیکن ففٹی میں سے دونوں نے شیراز احمد اور میر بخت کو پچیس فیصد کا حصہ دار بھی بنا رکھا تھا۔

"بس ایک دو دن میں رجسٹری ہم دونوں کے نام ہو جائے گی۔"

☆ ☆ ☆

ڈرامہ ختم ہونے کے بعد ضویا کو الوینہ کی غیر موجودگی کا احساس ہوا تو وہ اسے ڈھونڈتے ہوئے کچن کے دروازے میں آن کھڑی ہوئی۔

سامنے ہی وہ آٹے کی پرات میں جی بھر پانی ڈالے ملیدے کے ساتھ نبرد آزما تھی۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟" ضویا نے آنکھیں پھیلائیں۔

"خالہ آٹا گوندھنے لگی تھیں میں نے کہا لائیں میں گوندھ دیتی ہوں پہلے تو انہوں نے خوب گھور کر غیر یقینی نظروں سے مجھے دیکھا پھر میری ذہنی کیفیت کا قدرے اطمینان کرنے کے بعد فون سننے۔"

"اور تم نے یہ آٹا گوندھا ہے یا جھنڈیوں کو چپکانے کے لیے لئی تیار کی ہے۔" ضویا نے اس کی بات کاٹ کر گھلے ہوئے آمیزے میں انگلی ڈال کر اٹھائی تو قطرہ قطرہ ٹپکنے لگا تھا۔

"ضویا پلیز کچھ کرو۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولی جبکہ نظریں راہداری سے ہوتے ہوئے لاؤنج میں ٹکی تھیں جہاں سے خالہ کے آنے کا امکان قریب ترین تھا۔

"وہ تو میں کر ہی دوں گی لیکن پلیز آئندہ ایسی خدمت کا جوش چڑھانا تو دل مسوس کر رکھنا یہ سگھڑاپا تمہارے بس کا روگ نہیں ہے۔" زویا اچھی خاصی جز بز ہوئی تھی۔

"کروں گی تو کچھ کرنا آئے گا نا ویسے بھی ابھی تو اسکول و کالج سے فارغ ہوئی ہوں اور یہ شوشا بھی تمہارے کمینے بھائی کا چھوڑا ہوا ہے۔" کچھ روز قبل جب کھانے کی ٹیبل پر برتن لگائے ہوئے اچانک الوینہ کے ہاتھوں سے پلیٹ گر گئی تھی۔ (ایک تو اس کے سامنے حواس باختہ ہونا یقینی تھا) تو اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا۔

"مجھے سگھڑ سلیقہ مند اور خوش اطوار لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔" وہ بات تو خالہ سے کر رہا تھا لیکن اسے سنا رہا تھا۔ اور اس دن سے اس نے بھی سگھڑ بی بی بننے پر کمر کس لی تھی۔ لیکن وہ جس کام کو جتنا بھی سیدھا کرنے کی کوشش کرتی تھی اتنا ہی بیڑا غرق ہو جاتا تھا۔

"اور میرا بھائی پسند کس کی ہے؟" آٹے کو اس کی اصل صورت عطا کرتے ہوئے ضویا نے گھور کر اسے دیکھا تو وہ سر کھجاتے ہوئے بولی۔

"میں نے تو رومینٹک سلمان خان سمجھ کر ہاں کی تھی اب مجھے کیا خبر کہ وہ اندر سے پنجابی ہیرو شان نکلے

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

گا مجال ہے جو کبھی لفٹ کروادے۔ سنو انگیجمنٹ میں اس کی رضامندی تو شامل تھی نا۔" غیر سنجیدگی سے کہتے ہوئے آخر میں اسے نئی سوجھی تھی۔

"اب دل کے معاملوں کی مجھے کیا خبر خود ہی دریافت کرلینا۔" اس نے بھی مزید چڑاتے ہوئے شانے اچکادیئے۔

"الوینہ تمہاری امی کا فون ہے بات کرلو جاکر۔" خالہ کی اطلاع پر وہ کچن سے نکل کر فون اسٹینڈ کی سمت بڑھ گئی اس کے ابو کاروبار کے سلسلے میں دوبئی میں مقیم تھے تین ماہ قبل ان کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا تب امی دبئی جانے سے قبل اسے اسلام آباد سے لاہور خالہ کے گھر چھوڑ گئی تھیں۔

ضویا تو اکثر اپنی چھٹیاں اسلام آباد میں اس کے ساتھ گزارتی تھی اس لیے دونوں میں خوب دوستی تھی ٹیلی فونک رابطہ بھی ہمیشہ سے ہی دونوں کے مابین رہا تھا لیکن بہروز کے ساتھ بات کبھی حال احوال سے آگے نہیں بڑھتی تھی چار ماہ قبل دونوں کی منگنی خالص ضویا اور الوینہ کی پسند سے ہوئی تھی جس پر بہروز نے مشرقی لڑکیوں کی طرح خاموشی سے سر جھکا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

حویلی سے نکل کر اس کا رخ ڈیرے کی جانب تھا جب راستے میں زیان حیدر مل گیا تو دونوں بچے کے خیال سے ریسٹورنٹ چلے آئے تھے۔

سامنے ٹیبل پر بیٹھی ایک حسین الٹرا ماڈرن لڑکی مسلسل اسے گھورے جارہی تھی جسے وہ اپنا وہم گردانتے ہوئے سر جھٹک کر آرڈر نوٹ کروانے لگا۔ لیکن کھانے کے دوران جب بھی اس کی نظر اٹھی اس نے اسے اپنی جانب متوجہ پایا، لیکن ایک بار پھر نظر انداز کرتے ہوئے زیان کے ساتھ باتوں میں مشغول ہوگیا۔

"ایکسکیوزمی۔" مترنم نسوانی آواز پر اس نے سر اٹھایا تو وہ اس کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولی۔

"ہائے آئی ایم نازلی۔"

"فرمایئے۔" اس نے اپنا ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔

"آپ بہروز ملک ہی ہیں نا۔" اب کی بار چہرے پہ دلکش تبسم بکھیرتے ہوئے جیسے تصدیق چاہی تھی ساتھ ہی ہاتھ ٹیبل پر رکھ دیا گیا۔ بہروز کو اس کا اپنی جانب یوں جھکنا قدرے ناگوار گزرا تھا۔

"مجھے آپ سے آٹوگراف چاہیے تھا۔" اب وہ بیگ سے نوٹ بک اور سنہری پن نکال رہی تھی۔

"آٹوگراف۔" بہروز ملک نے الجھن آمیز نظروں سے اسے دیکھا تو اس نے معصومیت سے گردن ہلا دی۔

"محترمہ آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، میں کوئی اسٹار نہیں ہوں۔"

"جانتی ہوں کہ آپ اسٹار نہیں ہیں، لیکن میں آپ کی بہت بڑی فین ہوں ہر سال آپ کی ریس بہت شوق سے دیکھنے آتی ہوں۔"

"اچھا۔" اب کی بار وہ مدھم سا مسکرایا۔

گھوڑوں کے ذکر پر اس کی دلچسپی عروج پر ہوتی تھی اور پھر اس لڑکی کے بہت اصرار پر اس نے آخر آٹو گراف دے ہی دیا تھا۔ کچھ روز گزرے اور جب وہ اس قصے کو فراموش کر بیٹھا تو وہ ایک بار پھر یوٹرن لیتے ہوئے اس کی گاڑی سے ٹکرائی تھی۔ اسے زیادہ چوٹیں تو نہیں آئی تھیں لیکن پاؤں میں اچھا خاصا فریکچر ہوگیا تھا مجبوراً بہروز کو اسے سہارا دے کر کلینک لے جانا پڑا تھا۔

"ایم سوری میں بہت معذرت خواہ ہوں لیکن آپ کو کل تک ڈسچارج کردیا جائے گا۔"

"اٹس اوکے۔" شدید تکلیف کے باوجود اس نے کچھ بھی سخت سست نہیں کہا تھا بلکہ ابھی بھی مسکرا رہی تھی۔

"آپ کے گھر والوں کو انفارم کردوں۔" اٹھنے سے قبل اسے خیال آیا تو وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"میرے پاس سیل فون ہے میں اطلاع دے دوں گی۔"

"اوکے تو میں چلتا ہوں۔" اجازت طلب نظروں

سے اسے دیکھتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا جس پر وہ بے ساختہ بولی تھی۔

"آپ کل مجھے دیکھنے آئیں گے۔"

"نہیں۔" نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ کلینک سے باہر نکل آیا تو۔ وہ غصے میں کھولتے ہوئے کوئی نمبر ڈائل کرنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

"کیا بوریت ہے یار تم لوگ کہیں گھومنے نہیں جاتے۔" الوینہ نے ازحد بے زار ہوتے ہوئے صوفے پر اونگھتی ضویا کی جانب کشن اچھالتے ہوئے پوچھا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"ساری نیند کا ناس مار دیا۔"

"نیند کو گولی مارو سونے کا بھی کیا فائدہ خواب میں بھی کوئی رومانس کرنے تو آتا نہیں۔"

"ضویا یہ میرا سوٹ استری کردو۔" جانے وہ کہاں سے ٹپکا تھا اور کیا کچھ سن چکا تھا۔

"نہیں کردیتی ہوں۔" اپنی خفت مٹانے کی خاطر اس نے جھٹ خدمات پیش کردیں۔ ضویا بے فکر ہو کر پھر سے اونگھنے لگی تھی وہ خامشی سے سوٹ اسے تھما کر واش روم میں گھس گیا۔

"اب تھوڑی عقل استعمال کرلینا اور پانی لگا کر اچھی طرح سے پریس کرنا ایک بھی شکن رہ گئی تو اس کا میٹر گھوم جاتا ہے۔" چادر سے منہ نکالتے ہوئے وہ مشورہ دینا نہیں بھولی تھی الوینہ نے بھی قمیص کو خوب پانی میں بھگو ڈالا تھا اور اب استری لگتے ہی شوشو کی آوازیں بلند ہورہی تھیں۔

"میری قمیص ہے کھار کا کھیت نہیں۔" وہ پیچھے آن کھڑا ہوا۔

"ہاں وہ" اس سے بات نہیں بن پارہی تھی چھڑکاؤ تو اس نے کھار کا کھیت سمجھ کر ہی کیا تھا۔ کم بخت اب سوکھنے میں نہیں آرہی تھی۔

"ضویا میرے سب کام خود کیا کرو۔" قمیص پر ایک قہر آلود نگاہ ڈالنے کے بعد وہ ضویا کو تنبیہہ کرتے ہوئے چلا گیا تو الوینہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر رہ گئی۔

آج اسے زیان حیدر کے آفس جانا تھا وہ اس کے ساتھ مل کر لیدر گارمنٹس کی فیکٹری لگا رہا تھا بانی کچھ پلانٹس وغیرہ تھے پہلے تو وہ لوکیشن کچھ خاص نہیں تھی، لیکن اب کمرشل ایریا کی بدولت اس زمین کی ویلیو کافی بڑھ گئی تھی اور اس کا ارادہ وہاں ہوٹل بنانے کا تھا۔

"ضویا اٹھ جاؤ وہ لوگ نکل چکے ہیں اور تم ابھی تک یونہی بیٹھی ہو۔" خالہ نے اس بار اس کی "اچھا" پر اکتفا کرنے کی بجائے اٹھا کر ہی دم لیا تھا۔ اسے کچھ لوگ دیکھنے آرہے تھے۔

"میں ٹھیک لگ رہی ہوں نا۔" وہ کوئی دسویں بار اس سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں ٹھیک ہو۔" وہ ابھی تک جلی بیٹھی تھی۔

"یہ کیا بات ہوئی۔" وہ مطمئن نہیں ہوئی تھی۔

"اب کیا زمین و آسمان کے قلابے ملاؤں اور ویسے بھی مجھے اچھا لگنے سے کچھ نہیں ہونے والا۔ پسند کرنے والے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں۔"

"مروتم۔" جوتا پہن کر دوپٹا درست کرتی وہ باہر نکل گئی تھی وہ سرتاپا چادر تان کر لیٹ گئی امی ابو کچھ زیادہ ہی یاد آرہے تھے۔

"ایک تو امی کو بھی ذرا جو میرا خیال ہو شوہر کی دلجوئی میں لگی ہوئی ہیں۔" اس کے ابو اب بالکل صحت یاب ہوچکے تھے لیکن وزٹ ویزہ چونکہ چھ ماہ کا تھا تو ابو کی خواہش تھی کہ وہ چھ ماہ گزار کر ہی پاکستان جائیں۔

☆ ☆ ☆

کلب میں اس کی ملاقات ایک بار پھر نازلی سے ہوگئی تھی اس نے تو دیکھ کر اگنور کردیا تھا لیکن وہ خود ہی اس کی جانب چلی آئی تھی۔

"ہیلو بہروز ملک۔" آج ایک بار پھر اس نے اپنا ہاتھ اس کی سمت بڑھایا تھا۔

"ہیلو۔" جسے اس نے ہلکا سا تھام کر چھوڑ دیا۔

"اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" ازراہ مروت اسے پوچھنا پڑا۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اچھی ہوں لیکن کچھ دن تو کافی تکلیف میں گزرے تھے۔"

"میں اس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔" وہ بیچ میں شرمندہ تھا۔

"معذرت سے کام نہیں چلے گا غلطی کی ہے تو اس کا کفارہ ادا کرو۔" اپنی مخصوص دلکش مسکراہٹ لبوں پر سجاتے ہوئے وہ بے تکلفی سے گویا ہوئی تو بہروز ملک نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

"ٹھیک ہے غلطی کا کفارہ بتا دیجیے ہم ادا کردیں گے۔"

"سوچ لیجیے' ایسا نہ ہو کہ آپ بعد میں مکر جائیں۔" اس کا انداز چیلنج بھرا تھا۔ بہروز نے کچھ چونک کر اسے دیکھا اور پھر اعتماد سے بولا۔

"آپ کہہ کر تو دیکھیں۔"

"مجھے رائیڈنگ کا بہت شوق ہے میں ایک بار آپ کے "سلطان" پر سواری کرنا چاہتی ہوں۔" اس کے لہجے میں بچوں کی سی ضد تھی انداز پر مشتاق تھا اور ہیزل گرین آنکھوں میں جگنو سے جھلملا رہے تھے وہ اس وقت وائٹ جینز پر پنک پھولوں والا فیروزی رنگ کا ٹاپ پہنے ہوئے تھی۔ ریشمی دوپٹا گردن میں جھول رہا تھا۔

"اوکے۔" بہروز ملک کو اس کا دل توڑنا اچھا نہیں لگا۔ والٹ سے اپنا کارڈ نکال کر اس کی سمت بڑھاتے ہوئے بولا۔

"آپ کو جب آنا ہو مجھے کال کردیجیے گا' میں پک کرلوں گا۔"

"تھینک یو سو مچ۔" وہ کارڈ اٹھا کر چلی گئی وہ کچھ دیر بیٹھا الوینہ کے متعلق سوچتا رہا پھر اٹھ کر زیان کے آفس چلا گیا۔

فیکٹری کی مصروفیات آج کل کافی بڑھ چکی تھیں۔ ہوٹل کے متعلق بھی اس سے پارٹنر شپ ایگریمنٹ پر سائن وغیرہ کروانے تھے۔

☆ ☆ ☆

"لیکن میں اس سے کیا بات کروں گی۔" ضویا از حد پریشان یہاں سے وہاں ٹہل رہی تھی۔ اس روز جو لوگ اسے دیکھنے آئے تھے وہاں اس کی بات پکی ہوگئی تھی فرحان اچھا خاصا ہینڈسم' تعلیم یافتہ اور خاندانی لڑکا تھا۔ سعودیہ میں ایک ایٹالین کمپنی میں کوالٹی آف لیبارٹری کا انچارج تھا کچھ دیر قبل اس کی کال خالہ نے اٹینڈ کی تھی جس میں وہ ضویا سے بات کرنے کی اجازت لے چکا تھا۔

"فکر نہ کرو ساری باتیں وہ کرلے گا تم بس جواب دیتی جانا۔" الوینہ کے طنزیہ لہجے پر وہ منہ پھلا کر بیٹھی ہی تھی کہ سیل فون کی چنگھاڑتی بیل نے اس کے حواس گم کردیے وہ سیل فون کان سے لگا کر بولنا بھول چکی تھی۔

الوینہ کے اشاروں اور ایئر پیس سے ابھرتی۔ "ہیلو... ہیلو۔" کی آواز پر اس نے جیسے خود کو بولنے پر آمادہ کیا تھا۔ الوینہ اسے مکمل پرائیویسی فراہم کرتے ہوئے ٹیرس پر چلی آئی تھی۔

وہ لان چیئر پر بیٹھا کوئی کتاب پڑھنے میں منہمک تھا الوینہ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ نیوی بلو رنگ کے کرتا شلوار پر اجرک کاندھوں پر ڈالے مردانہ وجاہت سے بھرپور شخصیت کا مالک وہ شخص اس کے نام تھا۔

یہ احساس ہی کتنا خوش کن اور مسرت آمیز تھا۔

سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ بھی آکر بالکل اس کے سامنے براجمان ہوچکی تھی ذرا سا جھکتے ہوئے اس نے کتاب کے سرورق پر نگاہ دوڑانا چاہی تو بہروز نے کتاب سے نظریں اٹھا کر گھورتے ہوئے اسے دیکھا۔

"کیا مسئلہ ہے؟" فراخ پیشانی پر خفیف سی شکن ابھری۔

"مسئلہ تو تم ہو بھلا کوئی اس لہجے میں بھی اپنی منگیتر سے بات کرتا ہے۔" منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے اس نے ایک گہرا سانس بھرا پھر ہمت کرکے بولی۔ "آپ فلمیں نہیں دیکھتے؟"

بہروز ملک کے ماتھے پر مزید بل نمودار ہوئے تو وہ تھوک نگلتے ہوئے وضاحت آمیز لہجے میں گویا ہوئی۔

"اتنے دن ہوگئے میں نے کوئی فلم نہیں دیکھی

آپ کے ٹی وی میں بی ٹی وی کے علاوہ کوئی چینل نہیں آتا اس پر نہ کوئی آؤٹنگ۔ میں سخت بور ہوچکی ہوں مجھے کہیں گھمانے لے کر جائیں۔"

"چلو۔" وہ کتاب وہیں میز پر رکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہیں واقعی۔" اس نے حیرت سے آنکھیں پٹپٹائیں اور پھر اس کو آمادہ دیکھ کر ضویا کو بھی بلا لیا اتنے شارٹ نوٹس پر اس نے "چلو" کہا تھا کہ دونوں چینج کیے بغیر ہی چلی آئیں۔ اور وہ انہیں لایا بھی تو اپنے ڈیرے پر وہ بھی گھوڑے دکھانے۔

"تم دونوں کے پاس تین گھنٹے ہیں جتنی آؤٹنگ کرنا چاہو کرلو۔" اور الوینہ کا جی اپنا سر پیٹ لینے کو چاہا تھا اتنی گرمی' دھول اور حبس بھرے باجرے کے کھیت۔

"بدتمیز' خبیث' کمینہ۔" جتنی بھی مہذب گالیاں اسے ازبر تھیں سب دے چکنے کے بعد بھی اس کا من ہلکا نہیں ہوا تھا۔

"اچھے بھلے اے سی لگا کر بیٹھے تھے تم پر ایسی کیا آفت آئی جو گھومنے کا شوق چڑھ گیا۔" ضویا درخت تلے کھڑی دوپٹے سے پنکھا جھلتے ہوئے اس پر تپ رہی تھی۔

"میں نے تو سوچا تھا وہ کسی اچھے سے پکنک پوائنٹ پر لے جائے گا فائیو اسٹار ہوٹل میں کھانا کھلائے گا اس کے بعد مجھے لاہور گھمائے گا شاپنگ کروائے گا اور پھر ہم لانگ ڈرائیو پر نکل جائیں گے اور..."

"اور پھر وہ تمہیں دنیا کے آخری جزیرے پر لے جاکر چاندنی رات میں مونگرے کے پھولوں اور ایک عدد ڈائمنگ رنگ کے ساتھ پرپوز کرے گا۔" ضویا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ الوینہ کا حشر کردالے جبکہ الوینہ نے اپنی معصومیت کا سابقہ ریکارڈ برقرار رکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہاں سے واپسی پر ایک سرپرائز اس کا منتظر تھا ابو' امی اطلاع دیے بغیر اچانک ہی آچکے تھے۔ "ابو" وہ بھاگ کر ان سے لپٹ گئی تھی۔ ضویا اور خالہ کچن کو رونق بخش چکی تھیں وہ دیر تک بیٹھی ان کے ساتھ باتیں کرتی رہی' میز پر برتن لگوانے میں اس نے ضویا کی مدد کی تھی۔ مٹر پلاؤ' بھنی ہوئی مرغی' کباب' بادام کا حلوہ' سلاد ——— اس کا فیورٹ تھا کھانا خوش گوار ماحول میں متناول کیا گیا۔

اس کے بعد ہال کمرے میں بڑوں کی محفل جمی تھی وقار احمد کی خواہش تھی کہ بیٹی کو وداع کرکے وہ لوگ دوبئی شفٹ ہوجائیں خالہ تو پہلے سے ہی تیار بیٹھی تھیں۔ سو ——— شادی کی ڈیٹ بھی فکس ہوگئی تھی۔

اگلی صبح ناشتے کے بعد ان کی واپسی تھی۔ آخری وقت تک اسے انتظار رہا تھا کہ وہ اسے سی آف کرنے آئے گا' گاڑی چل پڑی تھی اس نے پلٹ کر ضویا اور خالہ کو ہاتھ ہلایا تو نگاہ بھٹکتی ہوئی ——— بالکونی اور سیڑھیوں تک کو کھنگال آئی مگر کسی دریچے اور جھروکے کی اوٹ میں وہ دو آنکھیں نہیں تھیں۔

لیکن جوں ہی گاڑی علاقے کی حدود سے نکل کر کچھ آگے بڑھی ایک عجیب ہی منظر دیکھنے کو ملا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ دونوں آفس میں بیٹھے گہری سوچ میں مستغرق تھے ابھی کچھ دیر قبل میر بخت ان کے دفتر سے نکل کر گیا تھا وہ ان سے پلاٹ کے سلسلے میں بات کرنے آیا تھا۔

"زیان میں چاہتا ہوں کہ تم وہ زمین مجھے دے دو میرا ارادہ وہاں شاپنگ مال بنانے کا ہے۔"

"ٹھیک ہے میں اور شیراز جگہ کی رجسٹری تمہارے نام کرنے کو تیار ہیں لیکن مسئلہ بہروز کا ہے جو وہاں فائیو اسٹار ہوٹل بنانے کا ارادہ رکھتا ہے تم اسی سے بات کرلو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔" پندرہ کنال کا وہ پلاٹ ان چاروں کا مشترکہ تھا۔ بہروز وہاں ہوٹل بنانا چاہتا تھا اس کے ساتھ کوئی بھی پارٹنر شپ کرتا اسے کوئی اعتراض نہیں تھا لیکن میر بخت وہاں شاپنگ مال بنانے کا ارادہ کر بیٹھا تھا اور کسی کو پارٹنر بنانے پر بھی آمادہ نہیں تھا

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

زیان حیدر نے دونوں کو وہاں کردی تھی۔

"تم پاگل تو نہیں ہوگئے ایک جانب تم خود وہاں شاپنگ مال بنانے کا ارادہ کیے بیٹھے ہو اور دوسری جانب زمین ان کو دینے کی ہامی بھرلی ہے۔" میر بخت کے جانے کے بعد شیراز اس پر چڑھ دوڑا تھا۔

"ایک وہاں ہوٹل بنانا چاہتا ہے اور دوسرا شاپنگ مال وہ دونوں کسی صورت وہ جگہ ہمیں نہیں دیں گے اور مجھے ففٹی فائیو پرسنٹ کا پارٹنر نہیں بننا۔" پیپر ویٹ سے کھیلتے ہوئے وہ پرسوچ انداز میں بولا تو شیراز کو غصہ آگیا۔

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنا حصہ بھی انہیں دے دیں۔" جس پر زیان حیدر کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"نہیں میرے پاس ایک پلان ہے۔"

☆ ☆ ☆

رات سونے کے لیے لیٹی ہی تھی جب وہ منظر پھر سے نظروں کے سامنے روشن ہوگیا تھا۔ لاہور سے واپسی پر جب ان کی گاڑی پگڈنڈی سے گزر رہی تھی تب اس نے بہروز کو ایک خوب صورت الٹرا ماڈرن لڑکی کے ساتھ کھیتوں میں چہل قدمی کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

ان کے تو دور و نزدیک کے رشتہ داروں میں کوئی لڑکی ایسی نہیں تھی جس کے ساتھ وہ اس بے تکلفی کا مظاہرہ کرتا پھر کون تھی وہ لڑکی۔ سوچوں کے گرداب میں بھٹکتے ہوئے اس کا ذہن الجھ رہا تھا لیکن وہ بدگمان ہونا نہیں چاہتی تھی کچھ سوچتے ہوئے اس نے خالہ کے پی ٹی سی ایل کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ تیسری بیل پر ضویا کی نیند میں ڈوبی آواز ابھری تھی۔

"تمہیں وہاں بیٹھ کر بھی چین نہیں۔"

"ضویا مجھے تم سے ایک اہم بات کرنی ہے۔" اپنی جانب سے اس نے تجسس میں مبتلا کرنے کی پوری کوشش کی تھی مگر دوسری جانب بھی ضویا تھی اس کی رگ رگ سے واقف۔

"خواب میں بھائی کے ساتھ کسی لڑکی کو دیکھ لیا ہوگا۔" بمشکل ہنسی ضبط کرتے ہوئے اس نے قیاس آرائی سے کام لیا۔

الوینہ نے پہلے ریسیور کو گھورا پھر حیرت بھرے لہجے میں بولی۔

"یار خواب میں نہیں حقیقت میں۔"

"بھائی اسے گھر بھی لے کر آئے تھے۔" جواباً اس نے مزے سے دھماکا کیا تھا۔

"کیا؟" اس کا صدمے سے برا حال ہوگیا۔

"وہ صرف میری فین تھی سلطان پر سواری کرنے کا شوق تھا اسے۔ اس لیے آئی تھی بس اور کچھ نہیں۔ اب تم اپنے دماغ جو کہ ہے بھی یا نہیں پر زیادہ زور نہ دو اور سو جاؤ آرام سے۔" ضویا سے ریسیور جھپٹتے ہوئے اس نے ایک ہی سانس میں بات مکمل کی اور رابطہ ڈس کنیکٹ کردیا۔

"بدتمیز۔" پہلے تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اچانک ہوا کیا ہے اور جب سمجھ میں آیا تو وہ ہلکی پھلکی ہو کر بیڈ روم میں واپس چلی آئی تھی۔

اگلا پورا ویک شاپنگ اور شادی کی تیاریوں میں گزر گیا تھا۔ مہندی کے روز وہ سب لاہور چلے آئے تھے نکاح کے بعد رسم حنا ہوئی تھی اور اگلے دن رخصتی کے بعد مختلف رسموں سے فراغت ملنے پر اسے برائیڈل روم میں پہنچا دیا گیا تھا۔ لڑکیوں کی چھیڑ چھاڑ، ہنسی مذاق، قہقہے۔

بہروز کی آمد کے ساتھ ہی سب باری باری کھسک گئیں تو وہ دروازہ بند کرتے ہوئے اس کے مقابل آن بیٹھا۔

"السلام علیکم۔" آواز میں کچھ خلاف توقع سی چمک تھی الوینہ کا دل یک بارگی دھڑک اٹھا مگر ہنوز نظریں جھکائے لب سیے بیٹھی رہی جواب بھی دل میں ادا ہوا۔ نظروں کی تپش پر وہ مزید سمٹ گئی تھی۔ بہروز نے نرمی سے گود میں رکھا اس کا حنائی ہاتھ تھاما اور رنگ پہنادی۔ کچھ پل خاموشی سے سرکے تھے لیکن ہاتھ اس نے ابھی بھی نہیں چھوڑا تھا۔

وہ پلکیں اٹھانے پر مجبور ہوئی اور نظروں کے تصادم پر ایک شرمیلی سا تبسم اس کے لبوں پر بکھر گیا تھا۔

"بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔" وہ مدھم سرگوشی میں بولا۔ یہ انداز و اطوار اس دشمن جان کے تو نہیں تھے اس نے مصنوعی خفگی سے گھورنا چاہا تھا لیکن کم بخت حیا آڑے آگئی تھی مگر اس کے ڈانیلاگ بدستور جاری تھے۔

"چاند ستاروں کی باتیں تو مجھے نہیں آتیں، لیکن ہاں اتنا وعدہ کرتا ہوں کہ عالی کی طرح ہر صبح تمہارے لیے پھول لاؤں گا عمر جہانگیر کی طرح تمہارے ناز اٹھاؤں گا اور اب اگر اجازت ہو تو عالم شاہ کی طرح تھوڑا سا حق بھی جتادوں۔" ذو معنی لہجہ اتنی باخبری۔ اب کی بار اس نے خوب گھورا تھا جس پر اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کچھ گستاخیاں کر ڈالیں۔

☆ ☆ ☆

"بہروز ملک نے انکار کردیا ہے میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہ میرا دوست ہے یا دشمن۔" زیان حیدر کے آفس میں بیٹھا وہ مسلسل پیچ و تاب کھاتا آپے سے باہر ہو رہا تھا اس پر وہ دونوں تھے جو جلتی پر پیٹرول چھڑک رہے تھے۔

"ہم نے تو اسے بہت سمجھایا تھا مگر وہ ہمیں دھمکی دے کر گیا ہے کہ اگر ہم نے وہ زمین اسے نہ دی تو وہ مجھ سے اپنا بزنس الگ کرلے گا یہ رہے زمین کے کاغذات تم پہلے اس کے سائن کروالو ہم دونوں اس کے بعد ہی سائن کریں گے کیونکہ تم جانتے ہو میں اس سے ناراضی مول نہیں لے سکتا میرا سارا بزنس اس کے ساتھ ہے۔" زیان نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کول ڈاؤن کرنے کی کوشش کی تھی جس پر وہ مزید سیخ پا ہو بیٹھا۔

"پلاٹ تو میں اس سے کسی بھی قیمت پر لے کر رہوں گا۔"

"اور وہ کسی بھی قیمت پر ہمیں پلاٹ نہیں دے گا اس لیے میری مانو تو چھین لو۔" شیراز نے نئی راہ دکھائی تھی۔

"کیا مطلب۔" وہ ٹھٹکا۔

"یار دو چار دھمکیاں دو یا پھر ریوالور کی نال کنپٹی پر رکھو پھر دیکھو۔" اس کے ذو معنی مشورے پر وہ اپنی جگہ اچھل کر رہ گیا۔

"بکواس نہ کرو یار ہے وہ اپنا۔"

"تو ہم کون سا اسے قتل کرنے کو کہہ رہے ہیں اور اگر اتنا ہی یار ہوتا تو محض اپنا مفاد مدنظر نہ رکھتا ہم بھی تو ہیں، اس کی پارٹنر شپ کی آفر ٹھکرا کر تمہارا فائدہ سوچ رہے ہیں۔" زیان کے پرخلوص انداز پر وہ لب بھینچے بیٹھا کچھ سوچنے لگا تھا جب شیراز نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے تسلی دی۔

"فکر کیوں کرتے ہو ہم دونوں تمہارے ساتھ ہیں۔"

"ٹھیک ہے دیکھ لیتا ہوں کہ وہ اپنا حصہ کیسے میرے نام نہیں کرتا۔" زمین کے کاغذات اٹھا کر وہ تن فن کرتا آفس سے نکل گیا تھا راستہ بھر یہ بات دل کی رگیں کاٹتی رہی تھی کہ بہروز اس کا دوست ہو کر اس پر ترقی کی تمام تر راہیں مسدود کر رہا ہے تو پھر وہ کیوں لحاظ رکھے اور اس کی اتنی جرات کہ اس نے زیان اور شیراز کو دھمکی دی ہے وہ بھی میرے خلاف۔

☆ ☆ ☆

ولیمہ کی شام اس کے امی، ابو واپس دبئی چلے گئے تھے وہ انہیں سی آف کرنے کے لیے بہروز کے ساتھ گھر چلی آئی تھی۔ اور آج اس گھر میں ولیمہ کے بعد اس کی دوسری صبح تھی۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑی بال بنا رہی تھی بہروز شاور لے رہا تھا۔ جب سیل فون کی بیپ پر اسے متوجہ ہونا پڑا اسکرین پر "نازلی کالنگ" جگمگا رہا تھا اس سے پہلے کہ وہ کال ریسیو کرتی بہروز اس کے ہاتھ سے سیل لے کر آف کردیا تھا۔

"یہ نازلی کون ہے؟" اس نے ابرو اچکائے۔

"پلیز اب بیویوں کی طرح۔ جھگڑا مت کرنا یہ کوئی بھی نہیں ہے آؤ ہم ناشتا کرتے ہیں۔" ناشتے کی میز پر

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

خالہ اور ضویا پہلے سے ہی دونوں کی منتظر تھیں اور اس نے سب کے سامنے ایک سوال پوچھا تھا۔

"الوینہ تم ہنی مون کے لیے کہاں چلو گی؟" جواباً" وہ اسے گھورتے ہوئے اپنی پلیٹ پر جھک گئی تھی بعد میں اس کی اچھی طرح سے خبر لی۔

"تمہارا بس چلے نا تو تم ہنی مون بھی اپنے اصطبل میں مناؤ۔" اسے کچھ روز قبل والی تفریح بھولی نہیں تھی اور یہ سوال بھی اس ضمن میں کیا گیا تھا وہ اس کی سب چالاکیاں جانتی تھی۔

"ویسے تمہیں تنگ کرنے کا بھی خوب مزا آتا تھا۔" اس نے جیسے سوچتے ہوئے لطف لیا۔

"اور میں تمہیں کافی معصوم سمجھتی تھی اب کیا پتا تھا کہ اندر سے پورے گھنے ہو۔" وہ ہنوز منہ پھلائے کھڑی تھی۔

"اچھا اب کی بار تمہیں دنیا گھماؤں گا تمہاری ہر خواہش پوری کروں گا اگر کہو گی تو ہارس انفارمیشن کے بجائے تمہارے ریک میں رکھے وہ سارے رومینٹک ناول پڑھوں گا تمہارے ساتھ لانگ ڈرائیو پر جاؤں گا خوب ساری شاپنگ کراؤں گا چاندنی رات میں ٹیرس پر کھڑے ہو کر تمہیں کیٹس کی نظمیں سناؤں گا اور۔۔۔"

"بس بس اتنا ہی کافی ہے۔" وہ اس کے لبوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے مسکرائی تو وہ کتنے ہی پل بے ساختہ اسے دیکھتا ہی چلا گیا۔

"تم کتنی پیاری ہو الوینہ۔" وہ بے ساختہ شرما گئی۔

"دل چاہتا ہے زندگی کا ہر پل ہر لمحہ بس تم میرے ساتھ رہو لیکن جانے کیوں ڈر سا لگنے لگا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے تم مجھ سے کھو جاؤ گی عجیب سی فیلنگ ہو رہی ہے آج کل۔" اس کے لہجے میں عجیب سی بے چارگی تھی۔

"بھائی آپ کا فون ہے۔" ضویا کی آواز پر وہ پلٹ گیا۔

الوینہ کتنی ہی دیر الجھی الجھی سی وہیں کھڑی رہ گئی تھی کچھ عجیب سا احساس تو اسے بھی ہوا تھا۔ وہ بھاگ کر لاؤنج میں آئی لیکن تب تک وہ راہداری عبور کرتے ہوئے گیٹ سے باہر نکل رہا تھا۔ وہ چوکھٹ پر کھڑی اس کی جیپ کو نظروں سے اوجھل ہوتے دیکھتی رہی حالانکہ وہ اسے روکنا چاہتی تھی لیکن اب تو وہ جا چکا تھا۔

"ضویا کس کا فون تھا۔" وہ عجلت میں واپس پلٹی۔

"میر بخت کا' بھائی کا بہت اچھا دوست ہے۔" وہ با آواز اطلاع دیتی کچن میں چلی گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"نازلی تم یہاں۔" جیپ سے اترتے ہی اس کا پہلا سامنا نازلی سے ہوا تھا وہ اسے اپنا منتظر دیکھ کر حیران رہ گیا تھا ابھی کچھ دیر قبل میر بخت نے اسے کال کر کے وہاں بلوایا تھا۔

وہ کافی غصے میں تھا اور پلاٹ کے سلسلے میں اس سے فائنل بات کرنا چاہ رہا تھا۔

یہ بات کچھ روز قبل بھی وہ کر چکا تھا تب بہروز نے اسے انکار کر دیا تھا۔ مگر اب وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ وہاں شاپنگ مال بنانا چاہتا ہے تو وہ اس کے ساتھ پارٹنر شپ کرے گا پھر بھی نہ مانا تو وہ اپنا حصہ اسے تحفے کے طور پر دے دے گا اور زیان حیدر اور شیراز سے بھی رکویسٹ کرے گا کہ وہ بھی اپنا حصہ اسے فروخت کر دیں۔

"مبارک ہو۔" اس کا طنزیہ لہجہ اور خفگی بھرا انداز اسے کچھ ناگوار سا ضرور لگا تھا لیکن اخلاقی طور پر اس نے خوشدلی سے شکریہ ادا کیا تھا۔

"تم بہت سنگدل اور ظالم انسان ہو۔" سرسبز شاخ کے پتے نوچتے ہوئے وہ زمانے بھر کی مظلومیت خود پر طاری کرتے ہوئے بولی تو بہروز کی پیشانی پر ایک ساتھ کئی بل نمودار ہوئے۔

"محترمہ آپ میری سنگدلی اور ظلم کی وضاحت فرمائیں گے۔"

"میرا دل توڑا ہے الوینہ کو اپنی شریک حیات بنا کر' جب کہ میں نے تمہیں بتایا بھی تھا کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں۔" اس روز رائیڈنگ کے بعد وہ نازلی کی

خواہش پر اسے اپنا گھر دکھانے لایا تھا۔

خالہ اور ضویا اس سے کافی خلوص اور اپنائیت سے ملی تھیں۔

لنچ اس نے ان لوگوں کے ساتھ کیا تھا آتے ہوئے وہ اپنے ڈرائیور کے ساتھ آئی تھی جو اسے ڈراپ کر کے جا چکا تھا تب مجبوراً" بہروز کو اسے واپس چھوڑنا پڑا وہ جسٹ ایک اچھے میزبان کا کردار نبا رہا تھا۔ گاڑی سے اترنے کے بعد وہ ایک لمحے کے لیے اس کے پاس ٹھہری تھی۔ اور اس ایک لمحے میں اس نے بہروز ملک سے "آئی لو یو" کہا تھا اسے اس لڑکی کی دلیری اور بولڈ نیس پر حیرانی بھی ہو رہی تھی اور غصہ بھی آ رہا تھا۔ وہ الوینہ کے لاابالی پن اور جذبوں سے انجان ہرگز نہیں تھا لیکن ایسی جرات کا مظاہرہ تو کبھی اس نے بھی نہیں کیا تھا۔ حالانکہ اگر وہ کرتی بھی تو اسے برا نہ لگتا۔ تب سے وہ اسے مسلسل کالز اور ایس ایم ایس کر رہی تھی جسے وہ اگنور کرتا جا رہا تھا اور اب اس شکوے کا تو کوئی مطلب ہی نہیں تھا۔

"یہ تمہارے دل کا یکطرفہ معاملہ ہے میرا اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔" موبائل کی بیپ پر وہ اس جانب متوجہ ہو گیا تھا۔ دوسری جانب زیان تھا۔

"ہیلو بہروز تم جہاں بھی ہو پلیز اپنا پسٹل اپنے ساتھ رکھنا میر بخت کسی نیک ارادے سے تم سے ملنے نہیں آ رہا وہ ہمیں دھمکی دے کر گیا ہے کہ تمہیں مار ڈالے گا۔" بوکھلاہٹ بھرے لہجے میں تیز تیز بولتا بہروز کو وہ اپنے لیے بے حد فکر مند اور ہراساں سا محسوس ہوا تھا۔

وہ اس وقت ڈیرے سے قدرے فاصلے پر سفیدے کے درختوں کے پاس کھڑے تھے اور اس کے عقب میں جھاڑیاں تھیں۔ اس کا لوڈڈ پسٹل جو کہ جیپ کے ڈیش بورڈ پر پڑا تھا اس نے اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا۔

میر بخت کی وائیٹ ہنڈا سوک کو رکتے دیکھ کر اس نے سیل فون بند کیا اور لب بھینچتے ہوئے اپنے وجود میں بھڑکتے آتش فشاں کو ضبط کرتے اس کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا تھا۔

"سائن کرو ان کاغذات پر۔" اس نے آتے ہی پلاٹ کے کاغذات جیپ کے بونٹ پر پھینکے تھے اور خود بگڑے تیوروں سمیت اس کے مقابل آن کھڑا ہوا تھا۔

"اور اگر نہ کروں تو؟" اس کے توہین آمیز انداز نے بہروز کو مزید تپا ڈالا اور اسے بھی جیسے ضد ہو چکی تھی۔ لیکن میر بخت نے سالوں پرانی دوستی کا لحاظ کیے بغیر اس پر ریوالور تان دیا تھا۔ بہروز ہکا بکا سا ایک پل کے لیے ساکت نظروں سے اسے دیکھتا رہا جیسے یقین کے مراحل طے کرنا چاہ رہا ہو۔ اگلے ہی پل اس نے بھی اپنا پسٹل نکال کر اس کی پیشانی پر رکھ دیا۔

"چلاؤ گولی۔"

"پاگل تو نہیں ہو گئے تم دونوں۔" نازلی جواب تک خاموش کھڑی تھی اچانک ان دونوں کے درمیان آن کھڑی ہوئی تھی۔

"ہٹ جاؤ تم درمیان میں سے۔" بہروز نے اسے ہٹانے کی کوشش کی تو نازلی نے اس کا وہی ہاتھ پکڑ کر پیچھے کھینچا تھا نیچے کسی پتھر پر اس کا پاؤں پڑا تھا اور اپنا توازن برقرار رکھنے کے چکر میں اس کی گرفت ٹریگر پر جانے کب سخت ہوئی تھی کہ ایک دھماکے کی آواز کے ساتھ ہی کتنے پرندے درختوں سے اڑے اور جب تک وہ سیدھا ہوا تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ گولی میر بخت کے سینے میں اتری تھی۔ خون کا ایک فوارہ اڑ رہا تھا۔ نازلی بے ساختہ لبوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔ بہروز نے بدحواس سا ہو کر پسٹل نیچے پھینک دیا تھا۔ میر بخت کا وجود بن پانی کی مچھلی کی مانند زمین پر گر اتڑپ رہا تھا۔

"میر بخت۔" وہ بے ساختہ زمین پر جھکا تھا لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔

"نازلی تم جانتی ہو میں نے اسے نہیں مارا۔" وہ جیسے مکمل طور پر حواس کھو چکا تھا۔

"چلو ادھر سے۔" وہ زرد پڑتی رنگت کے ساتھ اسے کھینچ کر گاڑی میں بیٹھی تھی۔ ان دونوں کے جانے کے بعد جھاڑیوں کے اندر سے کوئی نکلا تھا اس

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے پلاٹ کے وہ کاغذات اٹھائے تھے اور دور کھڑی اپنی گاڑی میں جا بیٹھا تھا۔ گاؤں کے لوگ اب لاش کے قریب جمع ہونا شروع ہو چکے تھے پھر اس نے پبلک بوتھ سے پولیس کو اطلاع دی تھی۔

بہت دور نکل آنے کے بعد اس نے سڑک کے کنارے گاڑی روکتے ہوئے اسے دیکھا تھا جو شکست خوردہ سا دونوں ہاتھوں میں سر گرائے بیٹھا تھا۔

"تم یہاں سے بھاگ جاؤ بہروز جب تک سب ٹھیک نہیں ہو جاتا۔" اس نے اپنی بے حد سرخ ہوتی آنکھوں سے نازلی کو دیکھا تو اس نے بہروز کے شانے پر تسلی آمیز ہاتھ رکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ اسے لگا وہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔

"تم کہاں جاؤ گی۔" وہ بے ساختہ بولا۔

"میں ٹیکسی میں گھر چلی جاؤں گی۔"

☆ ☆ ☆

اس کا دل آج صبح سے بے چین تھا کوئی کام کرنے پر طبیعت آمادہ نہیں ہو رہی تھی اپنا دھیان بٹانے کی خاطر وہ ضویا کے پاس کچن میں چلی آئی۔ اس نے آج لنچ پر کافی اہتمام کر رکھا تھا۔ تین بج چکے تھے وہ تمام تر لوازمات میز پر سجائے اس کی منتظر تھی۔ جب خالہ نے وال کلاک کی سمت نگاہ دوڑاتے ہوئے الوینہ کو دیکھا۔

"اسے کال کر کے معلوم تو کرو کہاں رہ گیا ہے۔"

"صبح سے کر رہی ہوں لیکن سیل آف جا رہا ہے۔" وہ مایوسی سے کہتے ہوئے اٹھ کر دروازے تک گئی پھر نا امید ہو کر لوٹ آئی۔

"کس کا فون آیا تھا۔" اب کی بار انہوں نے ضویا سے دریافت کیا۔

"میر بخت کا۔" وہ سادگی سے کہتی اپنی پلیٹ میں چاول نکالنے لگی تھی۔

"پھر تو کھانا کھا کر ہی آئے گا چلو الوینہ تم کھالو اس کے انتظار کا اب کوئی فائدہ نہیں بیٹھا ہوگا کہیں دوستوں کی محفل جما کر آج آجائے تو اچھی طرح خبر لوں گی میں اس کی۔" خالہ کو اچھا خاصا غصہ آیا تھا پھر ڈور بیل کی آواز پر اٹھ کر مرکزی دروازے کی سمت چلی آئیں۔

"لگتا ہے آگیا ہے۔" لیکن دروازے پر خاکی وردی والوں کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئیں۔

"بہروز ملک کہاں ہے؟" انسپکٹر کی نظریں ان کے عقب میں ادھر ادھر منڈلا رہی تھیں جبکہ وہ حواس باختہ سی اسے دیکھے گئیں۔

"کیوں آپ کو کیا کام ہے بھائی سے۔" وہ دونوں بھی اٹھ کر دروازے پر چلی آئیں ضویا نے ہی ہمت کر کے دریافت کیا تھا۔

"میر بخت کو قتل کیا ہے مقتول کے بھائیوں نے ایف آئی آر کٹوائی ہے۔" حالانکہ اس کی اور میر بخت کی جھڑپ کو کسی نے نہیں دیکھا تھا پھر بھی یہ خبر جنگل میں آگ کی مانند پورے گاؤں میں پھیل چکی تھی۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔" الوینہ نے خالہ کو سنبھالتے ہوئے بمشکل آنسو ضبط کیے تھے۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں بی بی اگر اس نے آکر گرفتاری نہ دی تو آپ تینوں کو اریسٹ کر کے لے جاؤں گا۔" انسپکٹر نے اب کی بار جانچتی نظروں سے ان دونوں کو سر تا پا گھورا تھا۔

"وہ صبح سے گھر نہیں آیا۔" ضویا اپنا دوپٹہ درست کرتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے اگر وہ کسی قسم کا بھی رابطہ کرے تو فوراً ہمیں اطلاع دی جائے ابھی یہ دونوں حوالدار تمہارے گھر کے باہر پہرہ دیں گے اسے کہنا شرافت سے گرفتاری دے دے ورنہ انجام اچھا نہیں ہوگا ہمیں شک ہے کہ وہ علاقہ غیر کی جانب نکل گیا ہے۔" انسپکٹر اپنا شک ظاہر کرنے کے بعد دھمکی سے نوازتا چلا گیا تھا۔

"امی بھائی ایسا نہیں کر سکتے۔" ضویا گھنٹہ بھر انہیں دلاسا، حوصلہ، تسلی دینے کے بعد اندر سے بہروز کی ٹیلی فون ڈائری اٹھا لائی تھی جس میں سے اسے زیان حیدر کا نمبر با آسانی مل گیا تھا۔

جو اس وقت دنیا دکھاوے کی خاطر میر بخت کی میت کو آخری آرام گاہ پہنچانے کا سامان کر رہا تھا۔ وہاں سے شام کے بعد وہ سیدھا ان کے گھر آیا تھا۔

"آنٹی آپ پریشان نہ ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا انسپکٹر سے میں بات کر چکا ہوں اب وہ آپ کو تنگ نہیں کرے گا اور بہروز کا بھی ہم پتا لگانے کی کوشش کر رہے ہیں اگر آپ کو اس کا کوئی فون وغیرہ آئے تو فوراً" مجھے اطلاع دیجیے گا۔" وہ اپنے طور پر انہیں مصنوعی تسلیاں دے کر چلا گیا تھا۔ جبکہ رات دونوں نے مل کر خوب جشن منایا۔

☆ ☆ ☆

"دل چاہتا ہے زندگی کا ہر پل ہر لمحہ بس تم میرے ساتھ رہو لیکن نہ جانے کیوں ڈر سا لگنے لگا ہے ایسا لگتا ہے جیسے تم مجھ سے کھو جاؤ گی۔" شدید طوفانی بارش میں بھیگتے ہوئے وہ ٹیرس پر کھڑی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ آج بہروز کو گھر سے لاپتا ہوئے سات روز ہو چکے تھے۔

اس کے کہے آخری جملے اس کی سماعتوں پر ہتھوڑے کی مانند برستے تھے' یہ ان کی شادی کے بعد پہلی بارش تھی اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ برستی بارش میں بھیگتے ہوئے آئس کریم کھائے گا۔ وہ دونوں کہنیاں ریلنگ پر ٹکائے کھڑی تھی۔

ہاتھوں پر ابھی بھی مہندی کے ہلکے ہلکے نقش و نگار باقی تھے بری اور جہیز کے جوڑے ویسے ہی رکھے تھے بہروز ملک کا وہ سوٹ جو اس نے اپنے ہاتھوں سے استری کیا تھا جو آج کے دن انہیں زیان حیدر کے گھر دعوت پر پہننا تھا ہینگر پر لٹکا ہوا تھا۔

ابھی تو کمرے میں اس کی مخصوص مہک باقی تھی اور وہ خود کھو گیا تھا سارے وعدے توڑ کر اسے محبت کے آخری جزیرے پر لا کر وہ ہمیشہ کے لیے تنہا چھوڑ گیا تھا۔

"الوینہ یہاں کیوں کھڑی ہو۔" ضویا اس کے بیڈ روم میں شفٹ ہو چکی تھی اور اب بھی اسے نہ پا کر باہر

Art With You

Paint with Water Color & Oil Colour

First Time in Pakistan
a Complete Set of 5 Painting Books in English

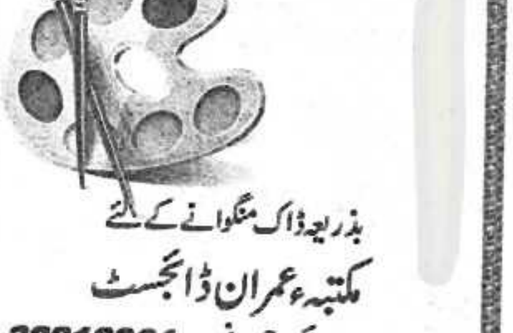

Art With You
کی پانچوں کتابوں پر حیرت انگیز رعایت

Water Colour I & II
Oil Colour
Pastel Colour
Pencil Colour

فی کتاب -/150 روپے
نیا ایڈیشن بذریعہ ڈاک منگوانے پر ڈاک خرچ
-/200 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

آئی تو اسے ٹیرس پر کھڑے بارش میں بھیگتے ہوئے دیکھا تھا۔

"ایسے ہی کمرے میں دل گھبرا رہا تھا۔" اس نے جلدی جلدی آنسو پونچھے لیکن نم آلود آواز کی لرزش ضوریا سے مخفی نہیں رہ پائی تھی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے الوینہ کہ بہروز بھائی کسی کو قتل کر سکتے ہیں۔" وہ خود بھی اس کے پاس آن کھڑی ہوئی تھی۔ الوینہ نے بے ساختہ نفی میں گردن ہلادی۔

"لیکن قانون ثبوت اور گواہ مانگتا ہے جو سب کے سب ان کے مخالف ہیں۔" سیل فون کی بیپ پر دونوں اپنی گفتگو ادھوری چھوڑ کر بیڈ روم کی سمت لپکی تھیں۔ آج سات روز ہوئے ساعتوں نے یہ گھنٹی سنی تھی۔ ان کی توقع کے برعکس دوسری جانب زیان حیدر تھا۔

☆ ☆ ☆

سات روز ہوٹل میں رہنے کے بعد جب اس کے پاس سارا کریڈٹ ختم ہو چکا تو اس نے بہت سوچ بچار کے بعد زیان حیدر سے رابطہ کیا تھا وہ جانتا تھا کہ اس کے گھر کے فون ٹیپ کیے جا رہے ہوں گے سو اب کسی سے تو مدد لینی ہی تھی۔

حالانکہ جن حالات سے وہ گزرا تھا اس کے لیے تو اب ہر شخص مشکوک ہو چکا تھا سات روز اس نے خود کو یہ سمجھانے میں لگا دیے تھے کہ اسے اس معاملے میں کسی نہ کسی پر تو اعتماد کرنا ہی ہوگا۔ اور اب وہ دونوں اس کے سامنے بیٹھے اس المیے پر اظہار افسوس کرنے کے بعد از خود اسے گرفتاری کا مشورہ دے رہے تھے جسے سن کر وہ بھڑک اٹھا تھا۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا تم میر بخت کے بھائیوں کو جانتے نہیں وہ مجھے پھانسی پر لٹکانے کی خاطر کچھ بھی کر گزریں گے۔"

"کچھ نہیں ہوگا تمہیں، ویسے بھی تم نے اپنی جان بچانے کی خاطر اس پر گولی چلائی تھی کوئی قتل نہیں کیا پھر نازلی جائے وقوعہ پر موجود تھی اس واقعے کی چشم دید گواہ ہے اور تمہارے حق میں گواہی دینے کو تیار بھی۔"

"تم نازلی کو کیسے جانتے ہو اور تمہیں کیسے پتا کہ وہ وہاں موجود تھی۔" بہروز نے تعجب سے شیراز کو دیکھا تھا۔

"تمہاری تلاش میں کلب گیا تھا وہیں ملاقات ہوئی تھی۔" زیان نے پیشانی مسلتے ہوئے بتایا تو شیراز نے سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا۔ بہروز کو بھی یاد آ چکا تھا کہ جب وہ پہلی بار نازلی سے ملا تھا تو زیان اس کے ساتھ تھا۔

"دوسرا یہ کہ قتل تمہاری رہائش گاہ پر ہوا ہے یہ بات بھی تمہارے حق میں جاتی ہے پھر میں اور زیان بھی گواہ ہیں کہ میر بخت نے ہمیں تم کو مارنے کی دھمکی دی تھی۔" وہ کیس کے سارے روشن پہلو اس کے سامنے عیاں کر چکا تھا بہروز نے کچھ دیر سوچنے کے بعد واضح دوٹوک لفظوں میں انکار کر دیا۔

"نہیں مجھے کسی پر بھی بھروسا نہیں ہے۔" اس کا اتنا کہنا تھا کہ زیان لب بھینچتے ہوئے اس کا ہاتھ کھینچ کر مسجد میں لے آیا تھا اور وہاں وضو کرنے کے بعد دونوں نے کلام پاک پر ہاتھ رکھتے ہوئے قسمیں کھائی تھیں کہ وہ ہر صورت اس کا ساتھ دیں گے اور پھر الوینہ کو کال کر کے سارا واقعہ اس کے گوش گزار کرنے کے بعد اس نے سیل فون بہروز کی سمت بڑھا دیا تھا۔

"زیان بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں پلیز تم گرفتاری دے دو۔" اس کے بعد ضوریا اور پھر خالہ نے بھی فون پر اسے تسلیاں دی تھیں اور یہ بھی بتایا تھا کہ ان دنوں میں زیان نے کس طرح بیٹوں کی مانند ان کا خیال رکھا تھا اور پولیس سے ان کی جان بھی چھڑوائی تھی۔ فون بند کرنے تک وہ خود کو پیش کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس کی گرفتاری کے بعد ڈی ایس پی صاحب نے ان کا بے حد شکریہ ادا کیا تھا کہ انہوں نے ایک مجرم کو تلاش کرنے میں ان کا بھرپور ساتھ دیا ہے۔

بس اب نازلی کو منانا باقی تھا۔ ایسے یاد آیا پچھلے سات روز سے وہ اس سے نہیں ملا۔ قتل کی واردات

بھی اس نے بے حد گھبراہٹ بھرے انداز میں فون پر سنائی تھی۔

☆ ☆ ☆

اگلے روز لنچ کے بعد وہ نازنین سے ملنے چلا آیا تھا وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی کالج کے زمانے سے ہی دونوں ساتھ تھے اور وہ جانتا تھا کہ نازنین اس کے لیے کس قدر جنونی اور پاگل ہے۔ وہ بھی اس سے بہت محبت کرتا تھا گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی اسے احساس ہو چکا تھا کہ سات روز کی طویل غیر حاضری کے بعد وہ کس قدر خفا اور برہم ہوگی۔ لاؤنج میں اس کا پہلا سامنا زبیدہ آنٹی سے ہوا تھا اور انہوں نے ہمیشہ کی طرح خوشدلی سے اس کا خیر مقدم کیا تھا۔

"آؤ شیراز بیٹھو۔"

"آنٹی وہ ناز کہاں ہے؟" اپنی بے چینی میں اس نے کھڑے کھڑے ہی دریافت کر لیا تھا لیکن زبیدہ آنٹی کے اگلے سوال نے اسے ٹھٹکا دیا تھا۔

"تم دونوں میں کوئی جھگڑا ہوا ہے؟"

"کیوں؟" اس نے الٹا استفسار کیا۔

"تم بہت دن بعد آئے نازنین کا موڈ بھی کچھ اچھا نہیں ہے۔ سات روز سے کمرہ بند کیے پڑی ہے میں تو بہت پریشان ہوں اس سچویشن پر۔"

"اچھا میں دیکھتا ہوں۔" عجلت میں سیڑھیاں پھلانگتا وہ اوپر چلا آیا تھا۔ پھر اس کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر اس کی ناراضی کے متعلق سوچتا رہا عجیب سے وہم و سوسے دل کو دہلا رہے تھے وہ ان کی شطرنج کا آخری مہرہ تھا اور ہار جیت کا تمام تر انحصار اب اس پر منحصر تھا۔ دروازہ ناک کرنے کے بعد ٹاپ گھما کر جب وہ اندر داخل ہوا تو وہ اسے پژمردہ نڈھال سی بستر پر آنکھیں موندے نیم دراز نظر آئی تھی۔

"ناز یہ کیا حالت بنا رکھی ہے کیا ہوا تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔" وہ تشویش بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا تو وہ لب بھینچتے ہوئے محض اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"اب خیال آیا ہے میرا۔" اگلے ہی پل اس نے رونا شروع کر دیا تھا۔ جس پر وہ مزید بوکھلاتے ہوئے اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"ارے یہ کیا۔" شیراز نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"مجھے بہت ڈر لگتا ہے آنکھیں بند کرتی ہوں تو ہر طرف خون ہی خون نظر آتا ہے راتوں کو سو نہیں سکتی۔" وہ اس روز سے ہی بے حد گھبرائی ہوئی تھی۔

"اچھا چلو اٹھو کہیں باہر چلتے ہیں۔" شیراز نے نرمی سے اسے بہلایا تو تھوڑی بہت مزاحمت کے بعد وہ چلنے کو تیار ہو گئی تھی۔ لانگ ڈرائیو کرتے ہوئے وہ بہت دور نکل آئے تھے۔ اس کی سنگت میں کچھ وقت گزار کر نازنین کا موڈ کافی حد تک خوشگوار ہوا تھا بلکہ اتنے دنوں سے دل و دماغ پر چھائی مردنی اور قنوطیت بھی کافور ہو چکی تھی۔

جب گاڑی سے اتر کر طویل سیاہ تارکول کی سڑک جو کہ درختوں اور پودوں سے گھری ہوئی تھی پر واک کرتے ہوئے اس نے عجیب سا سوال پوچھا تھا۔

"ناز تم مجھ سے کتنی محبت کرتی ہو۔" وہ رک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی پھر اس نے آسمان پر جھلملاتے ستاروں کو دیکھا درختوں میں کھلے جنگلی پھولوں کو خاموش رات کی پیشانی پر چمکتے — اور متجسس نظروں سے اسے دیکھتے چاند کو مگر کوئی بھی چیز پیمائش میں اس کی محبت سے زیادہ نہیں تھی۔

"لامحدود۔" وہ دونوں بازو پھیلا کر بولی تھی شیراز نے مسکراتے ہوئے سگریٹ سلگا لیا۔

"کیا کر سکتی ہو میرے لیے۔"

"بس جان نہیں دے سکتی اور سب کچھ کر سکتی ہوں۔" وہ غیر سنجیدگی سے مسکرائی۔ اس نے ایک کش لگاتے ہوئے دھواں ہوا کے سپرد کیا اور ریلنگ سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا سامنے راوی بہہ رہا تھا۔

"تمہیں بہروز ملک کے خلاف گواہی دینی ہوگی۔" بالآخر اس نے وہ کہہ دیا تھا جو وہ کب سے کہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ نازنین کے چہرے کی رنگت یک

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

لخت بدل چکی تھی۔

"تم نے مجھے کہا تھا تمہارا دوست کسی لڑکی کو لفٹ نہیں کرواتا اور اس کے ساتھ یہ چند روزہ فلرٹ جسٹ ایک ایڈونچر تھا اور کچھ بھی نہیں۔"

"یہ ایڈونچر نہیں تھا۔" شیراز نے اس کی بات رد کی۔

"تو؟" اس نے ابرو اچکائے۔

"یہ ایک منصوبہ تھا۔" وہ گہری سانس بھرتے ہوئے بولا اور پھر اسے شروع سے آخر تک تمام تر حقیقت بتادی۔ یہ بھی کہ وہ اس وقت موقع واردات پر وہاں پر موجود تھا اور میر بخت کو جو گولی لگی تھی وہ بہروز ملک نے نہیں اس نے چلائی تھی۔

"شیراز۔" وہ سراسیمہ سی ہو کر دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

"ہاں اور اب اگر تم نے اس کے خلاف گواہی نہیں دی تو ہو سکتا ہے انویسٹی گیشن کی زد میں پولیس اصل مجرم کا سراغ لگالے۔

کیا تم مجھے مرتا ہوا دیکھ سکتی ہو۔" اور وہ شیراز احمد کو اپنی زندگی میں کبھی مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھی۔

عدالت میں اس نے بہروز ملک کے خلاف گواہی دے دی تھی۔ تمام ثبوتوں اور گواہوں کو مدنظر رکھتے ہوئے عدالت نے اسے عمر قید کی سزا سنادی تھی اور آج گیارہ سال بعد تقدیر اسے دوبارہ اسی مقام پر لے آئی تھی۔ لیکن آج دوسری جانب بہروز ملک تھیں اس کی بیٹی تھی۔

"ایک گھنٹہ۔" اس نے گھبرا کر وال کلاک کی سمت دیکھا۔ ایک گھنٹے کی مہلت میں سے پینتالیس منٹ کم ہو چکے تھے۔ وہ اٹھ کر بے تابی سے کمرے میں ٹہلنے لگی تھی۔ دو چہرے دماغ کی اسکرین پر روشن ہو کر پھر معدوم ہو جاتے تھے۔ سیڑھیوں کی جانب سے آہٹ ابھری تھی۔ اس نے کھڑکی میں آکر جھانکا وہ لاؤنج کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔

"تاوان میں تمہیں اپنے شوہر کو قتل کرنا ہوگا۔"

الماری سے ریوالور نکالنے کے بعد۔ اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے آخری مرتبہ جذبوں کی شدت کو آزمانا چاہا تھا۔

"تم شیراز اور زیبی میں سے کس کو زیادہ چاہتی ہو۔" اس کے ہاتھ کانپنے لگے تھے۔

"ایک گھنٹے بعد تمہیں تمہاری بیٹی کے ٹکڑے بوری میں ڈال کر پارسل کر دیئے جائیں گے۔" ریوالور پر اس کی گرفت مضبوط ہو چکی تھی۔

"اب مجھ میں انسانیت نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی بہتر ہوگا تم میری درندگی اور حیوانیت کا مظاہرہ نہ دیکھو۔" دروازہ کھلا تھا۔ ہیشہ کی طرح ہشاش بشاش سا وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"اپنی بیٹی واپس چاہیے۔" بے رحم لہجہ وہ آج بھی شیراز احمد کو اپنے سامنے مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس لیے اس پر گولی چلانے سے قبل اس نے آنکھیں بند کرلی تھیں پھر اس نے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے اور اگلے ہی پل گھٹنوں کے بل زمین پر جھکتے ہوئے وہ چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔ ایک گھنٹے بعد دوبارہ کال آئی تھی۔

"مجھے تمہارے لیے جھوٹی گواہی دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تمہارے گھر کے تمام ملازم تمہارے گناہ کے گواہ ہیں اور جانتی ہو میں بھی گیارہ برس تڑپا ہوں اپنی بیٹی کے لیے۔ اب تمہاری باری ہے ہو سکتا ہے حکومت تمہارے اچھے برتاؤ اور حسن سلوک کی وجہ سے باقی کے تین سال کی سزا معاف کردے۔ جیل سے رہا ہونے کے بعد اپنی بیٹی کو آکر لے جانا۔" فون بند کرنے کے بعد وہ پرسکون سا اپنے اپارٹمنٹ کی سمت چل پڑا تھا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

www.paksociety.com